اختر مسلمی اوران کی وابستگیاں

ڈاکٹر ابو شہیم خان

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو و فاسی

ڈاکٹر ہری سنگھ گور سنٹرل یونی ورسٹی، ساگر، مدھیہ پردیش 470003

shaheemjnu@gmail.com،

[-مختصر تعارف۔۔۔عبید اللہ معروف بہ-اختر مسلمی کا آبائی وطن پروانچل کا مشہور گاؤں پھریہا ضلع اعظم گڑھ اتر پردیش تھا لیکن ان کے والد نے اسی ضلع کے دوسرے گاؤں مسلم پٹی میں بغرض ملازمت سکونت اختیار کر لی تھی۔-اختر مسلمی اسی گاؤں میں یکم جنوری 1928 کو پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم گاؤں کی دینی درس گاہ سے حاصل کی۔اس کے بعد مزید تعلیم کے لیے مشہور دینی درس گاہ مدرستہ الاصلاح سرائے میر میں داخلہ لیا اور اپنی باقی ماندہ زندگی سرائے میر کے لیے وقف کر دی 25 جون 1989 کو اس دار فانی سے رخصت ہوئے اور سرائے میر ہی ان کا دائمی مسکن ٹھہرا۔مرحوم کے کلام کے دو مجموعے ''موج نسیم'' اور ''موج صبا'' ان کی زندگی میں شائع ہوئے اور 2013 میں ان کے غیر مطبوعہ کلام ''جام وسنداں'' کو بھی شامل کر کے ان کے نواسے اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی کے فارغ التحصیل فہیم احمد نے ان کی کلیات ''کلیات-اختر مسلمی'' مرتب کی بڑھتی عوامی مقبولیت کے پیش نظر 2017 میں اس کلیات کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع کیا گیا۔]

''-کلیات-اختر مسلمی'' میں ایسے مقامات اکثر آتے ہیں جہاں اختر مسلمی کا لہجہ موعظانہ اور انداز صوفیانہ ہوتا ہے۔وہ مشاہدہ حق کی گفتگو بھی بادہ وساغر کے توسط سے کرتے ہیں۔اس لیے ان کا شمار ایسے شاعروں میں ہوتا ہے جن کی زبان رندانہ اور مضمون عارفانہ ہوتا ہے۔گرچہ ادب میں پند و موعظت کی یا کسی بھی موضوع کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے لیکن تخلیق کار کا تجربہ اور اس کا خلاقانہ بیان غیر اہم کو بھی اہم بنا دیتا ہے۔اردو ادب کی شعری روایت میں ایسے بہت سے صوفی شعراء ہیں جنھوں نے صوفیانہ رموز و نکات کے ساتھ ساتھ زمانے کی عیاری، عدم رواداری، بے حسی، منافقت، سطحیت، مادہ پرستی، خود غرضی، بے مروتی اور بے ضمیری جیسے عام سماجی مسائل کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا اور اپنے شعری تجربوں اور خلاقانہ بیان سے ان سماجی مسائل کے ساتھ ساتھ کسی بھی ہنگامی رد عمل احساس، اور فکر و جذبے کو بھی دوام بخشا۔ مخالفین غزل اور حامیان نظم ادب سے معاشرتی اصلاح، ذہنی بیداری، اجتماعی شعور اور دانشورانہ اظہار کی روایت کو فروغ دینے کا جو کام لینا چاہتے تھے چند عاشقان غزل نے بھی ادب

کے اسی افادی پہلو کو اپنا مطمح نظر بنایا۔ اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ تخلیق کاروں کی ایک بڑی تعداد حالی، عندلیب شادانی، جوش ملیح آبادی اور کلیم الدین احمد وغیرہ کی غزل پر تیار کردہ فرد جرم سے اتفاق نہیں رکھتی تھی اور نظم جدید اور ترقی پسند تحریک کے بعض نکات سے شدید اختلاف کے باعث ان سے باظابطہ وابستگی کے حق میں بھی نہیں تھی لیکن ان تحریکات کے اصل منہج یعنی ادب کی افادیت کے قائل اور شارح تھی۔ کلیات۔اختر مسلمی کا بھی مطالعہ اسی تناظر میں کیا جاسکتاہے۔

اختر مسلمی کی شخصیت اور شاعری کا خمیر جن عناصر کا مرکب ہے ان میں مختلف اور کبھی کبھی متضاد رویوں کے متناسب امتزاج کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسی لیے ان کی شخصیت اور شاعری دونوں غلو اور افراط و تفریط سے پاک ہیں۔ ویسے تو غلو کا شمار تو حسن بیان کی قدروں میں ہوتا ہے۔ کلام میں مزید حسن ولطافت، اثر اور مزید معنی پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے اور بیان کی سطح پر کسی بھی شاعر کے لیے ان صنعتوں سے اغماز ممکن نہیں ہے۔ اختر مسلمی بھی بیان کی سطح پر ان صنعتوں سے استفادہ کرتے ہیں لیکن خیال کی سطح پر وہ غلو اور افراط و تفریط سے اپنے کلام کو محفوظ رکھتے ہیں کیوں کہ شاعری ان کے ہاں لفظوں کا گورکھ دھندا یا وقت گذاری کے لیے دلچسپ کھیل نہیں ہے بلکہ ذوق جمال کی تسکین کے ساتھ ساتھ صالح اقدار کی تشریح و تبلیغ کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ اختر مسلمی کا شناخت نامہ جن عناصر سے ترکیب پاتا ہے ان میں خیال و جذبے کی پاکی کے علاوہ غم جاناں اور غم دوراں کے ساتھ تکلم اور ترنم کے امتزاج کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ ان کے ظاہر و باطن اور فکر و عمل دونوں سطحوں پر توازن ایک خاص محرک ہے۔ اختر مسلمی کے ہاں انتہا پسندی کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔ وہ کسی بھی چیز کے بیان میں حدود سے تجاوز نہیں کرتے۔ یہ حدود خود ساختہ بھی ہیں اور اقداری بھی۔ اس لیے کبھی کبھی یہ گمان گذرتا ہے کہ ان کا تخئیلی عمل بھی شتر بے مہار نہیں ہے بلکہ اس پر بھی اخلاق و اقدار کے پہرے ہیں۔ بہر حال اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ ان ہاں فکر کی بلندی اور ادب کی بالادستی نہیں ہے۔ بقول ڈاکٹر ناطق اعظمی

> ”اختر صاحب مزاج دان غزل ہیں، تغزل کی روح کے محرم ہیں۔ ان کے تئیں غزل ایک خاص انداز بیان کا نام ہے۔ وہ صرف لب ورخسار، گل وبلبل، قد وگیسو کی بات نہیں کرتے بلکہ زندگی کے تلخ اور ٹھوس حقائق کو بھی غزل میں سمونے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں۔ حسن وعشق کی باتیں ہوں یا غم روزگار کا تذکرہ کہیں بھی غزل کی روح مجروح نہیں ہونے دیتے۔ ان کے یہاں نہ تو شب ہجر کا ذکر جنسی تشنگی کا نوحہ بنتا ہے۔ نہ زندگی کے مسائل انقلابی نعروں میں تبدیل ہوتے ہیں۔ ان کا اپنا ایک مخصوص انداز بیاں ہے جس میں تغزل کی چاشنی غم روزگار کی تلخیوں کو بھی شیریں بنادیتی ہے“

اختر مسلمی بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں لیکن ان کے ہاں غزلوں کے علاوہ حمد، نعت، منقبت، مناجات، سہرے اور تہنیتی غزل نما نظمیں بھی پائی جاتی ہیں لیکن ان کی حیثیت ثانوی ہے۔ غزل ہی ان کی پہچان ہے۔ کیوں نہ ہو اختر مسلمی نے اس زمانے کی سب سے معتوب صنف سخن یعنی غزل کی آبیاری میں اپنی پوری زندگی صرف کر دی۔ انھوں نے اس زمانے میں غزل میں طبع آزمائی شروع کی جب مشرقی شعریات کی تقریباً نو سو سالہ روایت کے قابل ذکر حصوں کو فرسودہ، مشکوک، نیم وحشی اور قابل گردن زدنی قرار دینے کی کوشش کی جارہی تھی۔ غزل پر حالی کا احتجاج اور نظم جدید کی ترقی غزل جیسی سخت جان، پختہ، اور رچی ہوئی صنف کے لیے تو نشاۃ ثانیہ ثابت ہوئی اور فانی بدایونی، حسرت

موہانی اور علامہ اقبال نے غزل میں ایک نئی معنویت ایک نیا وزن اور ایک نئی بلاغت پیدا کرکے غزل کو بیسویں صدی کے ذوق سے قریب تر کر دیا اور اسے ایک جنس گراں مایہ کی حیثیت بخش دی۔ لیکن 1936 کے آس پاس غزل پر پھر سے اعتراضات کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ کافی دیرپا اور چو طرفا ثابت ہوا۔ ایک طرح سے اردو شاعری کی عام فضا پر غزل کا تسلط منقسم ہو گیا۔ اختر انصاری اپنی کتاب؛غزل اور غزل کی تعلیم—میں لکھتے ہیں کہ

"اسی زمانے میں یہ مسئلہ بھی ترقی پسند نقادوں کے زیر غور رہا کہ آیا غزل ترقی پسند شاعری کی صنف کی حیثیت سے زندہ رہ سکتی ہے یا نہیں۔ بعض نقادوں کا خیال تھا کہ غزل اپنی بنیادی سرشت کے لحاظ سے ایک ایسی صنف ہے جو فراری، رومانی اور انفرادی جذبات ہی کی ترجمان بن سکتی ہے، اور جدید ترقی پسند خیالات اور رجحانات کی کسی طرح متحمل نہیں ہو سکتی، بعض کی رائے اس کے برعکس تھی۔ اب غالباً یہ تسلیم کیا جا چکا ہے کہ غزل نظم کی دوسری اصناف کے دوش بدوش سماجی زندگی کے ٹھوس حقائق اور جدید ترقی پسند انہ، انقلابی اور عوامی رجحانات کی حامل بن سکتی ہے اور اس میں نئے ذہنی مطالبات سے ہم آہنگ ہونے کی پوری صلاحیت ہے"

اختر مسلمی کا ذوق شعر گوئی ان ہی سماجی و ادبی تاریخی سیاق میں پروان چڑھتا ہے اور وہ پوری زندگی سماجی اور مذہبی اقدار کی تعبیر و تشریح کو اپنے شعری اظہار کا ذریعہ بناتے ہیں اور زوال پذیر معاشرہ کے ہر اس اخلاقی مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہیں جن کا ازالہ ایک صالح اور صحت مند معاشرے کے لیے از حد ضروری ہوتا ہے۔ شاعری ان کے لیے ذریعہء عزت و جاہ اور معاش نہیں بلکہ وجہ وجود و بقا ہے

اختر کہوں نہ شعر تو دم گھٹ جائے مرا
وابستہ زندگی ہے مری شاعری کے ساتھ

اختر مسلمی کی تقریباً پوری زندگی اپنے آبائی ضلع اعظم گڈھ اور اس کے گردونواح میں گذری۔ اس خطے کی عام سماجی چلن کے بر خلاف وہ روزگار کے لیے بھی اس مدینتہ العلوم سے کبھی باہر نہیں نکلے۔ لہذا ان کی ذہنی تربیت اور ذوق شعر گوئی کو ایک مخصوص رنگ دینے میں اس خطہ کی علمی اور مذہبی فضا کا بہت اہم رول ہے۔ ان کی کلیات میں ایسے اشعار لاتعداد ہیں جن سے ادب اور زندگی کے مابین رشتوں کے بارے میں ان کی رائے اور اپروچ کا علم ہوتا ہے۔ وہ اکثر یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ

کیا سنواریں گے یہ فنکار زمانے کا چلن
ان کا کردار بھی سنورے نہ اگر فن کی طرح
مسند عیش پہ ہنسنا تو کوئی بات نہیں
سیکھ اے دوست سر دار بھی خنداں ہونا

اختر مسلمی کی شاعری کا بنیادی حوالہ انسانی تہذیب خصوصاً مشرقی تہذیب ہے۔ وہ فکری سطح پر ہر اس نظریہ کی حمایت کرتے ہیں جو بنی نوع انسان کے اشرف المخلوقات ہونے، اس کی عزت نفس کو ہمیشہ مقدم رکھنے اور مادی ترقی کے بجائے غیر مادی فلاح کے موقف کی وکالت کرتا ہو۔ ان کے یہاں بہترین انسان وہ ہے جو حق گو و بے باک، اصول پسند، عاقبت اندیش اور غیر مصلحت کوش ہو۔ ان کو عام انسانوں میں جب یہ اقداری خصائص نظر نہیں آتی ہیں تو ان کا لہجہ ترش اور انداز بیان جارحانہ ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ (متفرق اشعار)

دیکھا اتر کے دل میں تو سب بے ضمیر تھے
چہرے لگائے یوں تو بہت پارسا ملے
رہا اب اور کیا باقی زوال آدمیت میں
کہ طینت ہو گئی ہے مائل تخریب انساں کی
بیداد کا ساماں کرتا ہے مائل بہ جفا ہو جاتا ہے
اظہار تمنا کرتے ہی انسان خدا ہو جاتا ہے

فریب کاریء انساں سے ڈر لگے ہے مجھے
پیام امن کے عنواں سے ڈر لگے ہے مجھے

جامہ آج کے انسانوں کا کیا پوچھو ہو کیسا ہے
خلق و مروت کے تانے ہیں بغض و حسد کے بانے ہیں

آج کے دور میں ناممکن ہے دانے ہوں اور دام نہ ہو
طائر دل یہ خوش فہمی ہے دام نہیں ہیں دانے ہیں

ہر طرف بغض و عداوت کی گھٹا چھائی ہے
دہر میں شمع محبت کو فروزاں کر دیں

ہے اخوت کا اثر جن کے دلوں سے مفقود
ان درندہ صفت انسانوں کو انساں کر دیں

کس قدر انوکھا ہے شیوہ اہل دنیا کا
میٹھی میٹھی باتوں میں تلخیاں دبی رکھنا

اختر مسلمی کی شاعری میں انسانوں کے اصل اور حقیقی مراتب کے ساتھ ساتھ اس کی جبلت اور عملی رویوں کے بیان کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ محولہ بالا اشعار انسان کے ظاہر و باطن، قول و فعل اور اصول و عمل کے مابین تضاد اور فرق کی وضاحت کرتے ہیں۔ انسان اپنے حقیقی منصب سے ہٹ کر کس قدر سازشی، خود غرض، فریبی، منافق، بے ضمیر اور تخریب پرست ہو گیا ہے اور یہ برائیاں سماج میں اس سطح تک سرایت کر گئی ہیں کہ عام انسان انھیں برائیاں سمجھتا بھی نہیں ہے۔یعنی یہ برائیاں قبیح اور قابل نفر عمل نہ ہو کر ان کی حیثیت عام انسانی رویوں اور وطیروں کی ہو گئی ہے۔اختر مسلمی انسانوں کے اس طرح کے منفی رویوں اور اخلاقی زوال پر کڑھتے ہیں اور بار بار احساس دلاتے ہیں کہ وہ اپنے اصل مقام و مرتبے کو پہچانیں اور بنیادی انسانی اقدار کو اپنانے اوراس کو عام کرنے والے بنیں کیوں کہ سود و زیاں کا احساس، طالع آزمائی، زود طلبی اور سہل پسندی سچے عاشق کا وطیرہ نہیں ہوتا ہے۔کلاسیکی غزل کی طرح ان کا بھی محبوب ستم گر، جفا کوش اور بے وفا تو ہے لیکن وہ عاشق کی مجہول کیفیات کا بیان کرنے کے بجائے اسے ہمت اور حوصلہ دیتے ہیں۔ محبوب اور زمانے سے ملے ہوئے متاع غم کو لطف زندگی کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ کسی بھی صورت میں صبر و ایثار اور وضع داری سے دست بردار نہیں ہوتے بلکہ وہ بھی ایک سچے عاشق ہیں جو

> ـــــ ”عشق کی صعوبتوں اور دشواریوں اور راہ محبت کے شدائد اور آلام سے کبھی آزردہ اور مضطرب نہیں ہوتا۔ اس کو محبوب کی چشم قہر و عتاب میں لطف و عنایت اور اس کے جور و ستم میں لذت و حلاوت ملتی ہے۔ وہ اس کی پیہم جفائوں کا آرزو مند رہتا ہے اور زخم کھا کر بھی مسکراتا ہے اور اپنی زبان پر کوئی حرف شکایت اور کلمہء فریاد نہیں لاتا۔ آہ و فغاں کو عشق کی تو ہین اور محبت کی رسوائی خیال کرتا ہے“

مزید یہ کہ اختر مسلمی عظمت رفتہ پر آنسو بہاتے ہیں اور اس کی بازیابی کی کوشش ہر فرد کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ سماج پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں اور اس کی برائیوں پر پردہ ڈالنے کے بجائے اسے آشکارہ کرتے ہیں تاکہ ایک صالح معاشرہ تشکیل پا سکے۔ وہ ایک ایسے مثالی سماج کا خواب دیکھتے ہیں جہاں اخوت و محبت، ایثار و خلوص کا دور دورہ ہو۔ انسان ایک دوسرے کے زخموں پر مرہم رکھنے والے ہوں۔ موجودہ طرز معاشرت اور تہذیب نو میں انسان کے اجتماعی شعور اور احساس کا شیرازہ جس طرح منتشر ہو گیا ہے اور ہر فرد خود اپنی ذات میں سمٹ کر رہ گیا ہے۔ ان کی زندگیوں سے اقدار جس طرح سے بے دخل ہو گئے ہیں اختر مسلمی ان کا بین کرتے ہیں اور انسانوں سے اپنے اصل کی طرف لوٹنے اور مثالی سماج کے اصولوں پر کاربند ہونے اور عظمت رفتہ کی بازیابی کی کوشش کی توقع کرتے ہیں۔ سماج پر ان کی تنقید کسی مصلح کے لائحہ عمل کا حصہ نہیں ہے۔یعنی ان کے کلام کی حیثیت صرف پند و موعظت کی نہیں بلکہ غزل کی روایت کے تسلسل کی ہے۔اختر مسلمی

کی شاعری کا کلیہ یہ ہے کہ وہ موضوع اور انداز بیان کو یکساں اہمیت دیتے ہیں۔ اور شاذ ونادر ہی اس کلیہ سے انحراف کرتے ہیں۔ ان کی شاعری کے خاطر بہ حصہ کا مطالعہ اس کلیے کی رروشنی میں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن سکہ بند ناقدین نے ابھی تک اس جانب کوئی خاص توجہ نہیں دی ہے۔ کلیات اختر مسلمی کے 2013 میں منظر عام پر آنے کے بعد ان کی مقبولیت اور شہرت کا دائرہ وسیع ہوا اور علمی حلقوں میں ان کی شاعری خصوصاً غزل گوئی پر بات کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ ظاہر ہے اس کی وجہ اختر مسلمی کے سچے جذبات اور متنوع تجربات کے ساتھ ساتھ غزل کی رسومیات کی پوری پابندی ہے جو آج بھی ان کی معنویت کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ مثلاً تہذیب نو اور موجودہ طرز معاشرت پر ان کے ظاہر کردہ خدشات روز بروز اور زیادہ صحیح ثابت ہو رہے ہیں۔

نہ جانے حشر کا میداں ہے کہ دنیا ہے
جسے بھی دیکھئے تنہا دکھائی دیتا ہے
اندھیرے لاکھ غنیمت ہیں اس اجالے سے
جدید شمع فروزاں سے ڈر لگے ہے مجھے
تہذیب نو کے لوگ وہ خوش پوش ہو گئے
بار لباس سے بھی سبکدوش ہو گئے
کون رہتا ہے مکانوں میں مکینوں کی طرح
آدمی شہر میں چلتے ہیں مشینوں کی طرح
ہر ایک چہرہ مجھے سوگوار لگتا ہے
میں دیکھتا ہوں جسے بے قرار لگتا ہے
یہ کیا کیا نئی تہذیب نے کہ اب انساں
خود اپنے گھر میں غریب الدیار لگتا ہے
کسی کو فکر نہیں زخمیوں کے مرہم کی
جسے بھی دیکھئے نامہ نگار لگتا ہے
اتار دے گا نقاب اپنی انتخاب کے بعد
یہ شخص آج بڑا خاکسار لگتا ہے

اختر مسلمی ایک مخلص اور سچے محب وطن کی طرح تہذیب نو کے منفی پہلوئوں اور انجام کار کے ساتھ ساتھ وطن کی صورت حال پر بھی بے اطمئنانی اور مختلف خدشات کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ وطن عزیز میں ایسی فضا کے تعمیر کے خواہش مند ہیں جس میں تمام لوگ ہم آہنگی اور رواداری کے ساتھ رہ سکیں اور ملک کی اجتاعی ترقی کی کوشش کر سکیں۔ کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہ ہو سب کو مساوی حقوق اور یکساں آزادی حاصل ہو۔ ملک کی آزادی اس کے قیام اور اس کو خوش حال بنانے کی سب کی کوششوں کو بلا تفریق سراہا جائے اور کسی طرح کے تعصب کو روانہ رکھا جائے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو ملک میں یگانگت کی فضا مکدر ہو گی۔ عوام میں بے اطمئنانی اور بے چینی پیدا ہو گی۔ لاکھ قربانیوں کے باوجود ملک کی تیرہ نصیبی کبھی ختم نہیں ہو گی اور ملک کبھی بھی لالہ زار نہیں ہو سکے گا۔ وہ بار بار اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ اگر ہم ملک وملت کی ترقی اور بھلائی چاہتے ہیں تو تمام اہل وطن ملک کی بہتری کے لیے پیش کی گئی قربانیوں کو تسلیم کریں اور ملکی اتحاد اور یگانگت کو اپنے ذاتی مفاد پر ترجیح دیں۔ ان کی کلیات میں ملک، چمن، باغباں، نشیمن، عندلیب، آشیانہ، گلستاں، گلشن جیسے استعارے بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ ان کے کلام میں ان استعاروں کے استعمال کی کثرت سے اختر مسلمی کی ذہنی اور فکری مناسبتوں، سمت بندیوں اور قومی ترجیحات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل متفرق اشعار اختر مسلمی کے جذبہ ایثار و قربانی کا ایک نمونہ ہیں۔۔

جو باہم عندلیبان چمن دست و گریباں ہیں
تو ایسی کشمکش میں فکر ہے کس کو گلستاں کی
اب اس سے بڑھ کے ستم اور ہم پہ کیا ہو گا
کہ ہم چمن کے لیے ہیں چمن کسی کے لیے
چمن کی تیرہ نصیبی نہ مٹ سکی پھر بھی

جلا چکا ہوں نشیمن بھی روشنی کے لیے
اے چمن والو ہمیں سے ہے چمن کی زینت
کاٹ کر پھینک نہ دو ہم کو ببولوں کی طرح
نہاں ہے خوئے صیادی ہمارے باغبانوں میں
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
بس اک احساس آزادی سے دل ہے مطمئن ورنہ
قفس کا رنگ پیدا ہو گیا ہے آشیانوں میں
چمن میں ان کو وحشت ہے ہماری ہم نشینی سے
جنھیں کل تک تھا بے حد انس ہم سے قید خانوں میں
لالہ و گل سے پوچھیے سرو و سمن سے پوچھیے
میری چمن نوازیاں حسن چمن سے پوچھیے
کر گئیں سرخرو اسے کس کے لہو کی سرخیاں
یاد نہ ہو جو آپ کو خاک وطن سے پوچھیے
میری نوائے حریت گونجی اسی فضا میں تھی
کوہ و دمن سے پوچھیے گنگ و جمن سے پوچھیے

تہذیب نو اور حب الوطنی کے موضوعات پر ان خوبصورت اشعار کے بعد اختر مسلمی کی شاعری کے جو نکات خاص توجہ کے طالب اور ان کے تشخص کی تشکیل کا غالب عنصر ہیں ان میں اردو شاعری خصوصاً غزل کی رسومیات کی پوری پابندی، ان کی فکری وابستگیاں اور اساتذہ شعراء کی اتباع کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جہاں تک اردو شاعری خصوصاً غزل کی رسومیات کی پابندی کا سوال ہے تو اختر مسلمی اردو شعری روایت کا پورا احترام کرتے ہیں۔ یہ احترام فکر، زبان اور انداز بیان کے ساتھ اسلوب اور ہیئت کی سطح پر بھی ہے۔ وہ کسی بھی سطح پر روایت سے بغاوت کو بہتر نہیں سمجھتے۔ وہ نئے، غیر مانوس اور کم مستعمل لفظیات سے مکمل احتراز کرتے ہیں۔ سیدھے سادے تجربات کو بڑے آسانی سے عام فہم زبان میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں خیال اور بیان یا اسلوب کی سطح پر کوئی پیچیدگی نہیں آتی ہے۔ تجربات چوں کہ عمومی نوعیت کے ہوتے ہیں اس لیے تجربات کے نتائج اور ان کے انداز پیش کش کے بارے میں پیش گوئی ممکن ہو تی ہے اور ان کے ہاں تجربات کو شعری پیکر میں ڈھالنے کی سطح پر تمام طرح کی تحیر زدگی اور ڈرامائیت خارج از امکان ہے۔ اختر مسلمی مادہ پرستانہ رسومات سے گریز اور ملتوں کے نفاق کو ختم کر کے انھیں اجزائے ایماں بنانے کے قائل ہیں۔ شاعری ان کے لیے تفنن طبع کا ذریعہ نہیں بلکہ مقصد جلیلہ کے حصول کی وکیل ہے۔ یہ اپنی شاعری کے ذریعہ قارئین تک خاص پیغام کی ترسیل چاہتے ہیں اور انھیں اعلیٰ مقام کا حوالہ دے کر اپنے اعمال کے محاسبے کی یاد دہانی کراتے ہیں۔ اختر مسلمی کے ہاں فکری سطح پر ایک وحدت پائی جاتی ہے اور یہ وحدت تسلسل بیانی کی متقاضی ہوتی ہے۔ اس لیے اختر مسلمی کے یہاں غزل مسلسل کی تعداد کافی ہے۔ غزل کا ہر شعر عموماً منفرد، خود مکتفی اور قائم بالذات ہوتا ہے لیکن غزل مسلسل میں ہر شعر منفرد اور خود مکتفی نہیں ہوتا بلکہ تمام اشعار سلسلہ بہ سلسلہ مربوط ہوتے ہیں۔ اس تسلسل میں کسی خیال کے ساتھ ارتقاء خیال بھی پایا جائے گا یا مختلف اشعار میں کسی ایک مفہوم کو مختلف انداز میں پیش کیا جائے گا یعنی مفہوم ایک ہوگا لیکن پیرائے بیان مختلف ہوگا۔

> اختر مسلمی کا ایک اور عمل جو انھیں دوسرے ہم عصر شعراء سے منفرد کرتا ہے وہ اساتذہ شعراء کی قابل ستائش اتباع ہے۔ ان کی کلیات میں بہت سی غزلیں ایسی ہیں جو علامہ اقبال، اقبال عظیم، حفیظ بنارسی، نذیر بنارسی، حفیظ جونپوری اور حسرت جے پوری وغیرہ جیسے شعراء کی زمینوں میں کہی گئی ہیں۔ ایسی غزلوں میں اتباع صرف لفظیات، لب و لہجہ، ہیئت، بحر اور ردیف و قافیہ کے انتخاب کی سطح پر نہیں ہے بلکہ فکر کی سطح پر بھی ہے۔ فکر و فن دونوں سطحوں پر وہ اساتذہ سے رجوع کرتے ہیں اور شعری روایات اور رسومیات کی اتباع کو شعر گوئی کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔

اختر مسلمی کسی ایک مفہوم کو مختلف انداز میں پیش کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔

اختر مسلمی کا ایک اور عمل جو انھیں دوسرے ہم عصر شعرا سے منفرد کرتا ہے وہ اساتذہ شعراء کی قابل ستائش اتباع ہے۔ان کی کلیات میں بہت سی غزلیں ایسی ہیں جو علامہ اقبال، اقبال عظیم، حفیظ بنارسی، نذیر بنارسی، حفیظ جونپوری اور حسرت جے پوری وغیرہ جیسے شعرا کی زمینوں میں کہی گئی ہیں۔ ایسی غزلوں میں اتباع صرف لفظیات، لب ولہجہ، ہیئت، بحر اور ردیف و قافیہ کے انتخاب کی سطح پر نہیں ہے بلکہ فکر کی سطح پر بھی ہے۔ فکر و فن دونوں سطحوں پر وہ اساتذہ سے رجوع کرتے ہیں اور شعری روایات اور رسومیات کی اتباع کو شعر گوئی کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ پچھلے صفحے پر ان کی ایک غزل کے چند اشعار درج ہیں:

نہاں ہے خوئے صیادی ہمارے باغبانوں میں
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
بس اک احساس آزادی سے دل ہے مطمئن ورنہ
قفس کا رنگ پیدا ہو گیا ہے آشیانوں میں
خبر کیا تھی بہار گلستاں یہ دن بھی آئے گا
ستائے گی قفس کی یاد ہم کو آشیانوں میں
خدا کی شان اس پر آج ہے الزام غداری
ابھی کل تک جو تھا رسم وفا کے راز دانوں میں
چمن میں ان کو وحشت ہے ہماری ہم نشینی سے
جنھیں کل تک تھا بے حد انس ہم سے قید خانوں میں

یہ غزل انھوں نے ایک طرحی مشاعرے میں پڑھی تھی۔ مصرعہ طرح علامہ اقبال کی ایک بہت ہی مشہور نظم ”تصویر درد“ کا مصرعہ ”عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں “تھا۔ علامہ اقبال کی اس نظم کے کئی اشعار زبان زد عام وخاص ہیں۔ ایک طرح سے ان اشعار کی حیثیت ضرب المثل کی ہو گئی ہے۔ نظم ”تصویر درد“ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

نہیں منت کش تاب شنیدن داستاں میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری
چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہے گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
نا سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

علامہ اقبال کے علاوہ اختر مسلمی کی زندگی دوسرے شعرا سے بھی کئی سطحوں پر متاثر نظر آتی ہے۔ کلیات اختر مسلمی میں ایسی بے شمار غزلیں ہیں جہاں پر اساتذہ کے نقوش بڑی آسانی سے نشان زد کیے جاسکتے ہیں۔ کچھ ایسے ہی مقامات کی نشان دہی درج ذیل غزلوں کے توسط سے کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اختر مسلمی

اعجاز نگاہوں کا دکھا میں کیوں نہیں دیتے
ہم عشق کے ماروں کو جلا کیوں نہیں دیتے
ہنستے ہیں بہت اہل خرد اہل جنوں پر
پردہ رخ زیبا سے اٹھا کیوں نہیں دیتے
منصب ہے یہ ہم خاک نشینوں کی بدولت
یہ تخت نشیں ہم کو دعا کیوں نہیں دیتے

احمد فراز

خاموش ہو کیوں داد جفا کیوں نہیں دیتے
بسمل ہو تو قاتل کو دعا کیوں نہیں دیتے

منصف ہو اگر تم تو کب انصاف کرو گے
مجرم ہیں اگر ہم تو سزا کیوں نہیں دیتے
حسرت جے پوری

جب پیار نہیں ہے تو بھلا کیوں نہیں دیتے
خط کس کے لیے رکھے ہیں جلا کیوں نہیں دیتے
کس واسطے لکھا ہے ہتھیلی پہ مرا نام
میں حرف غلط ہوں تو مٹا کیوں نہیں دیتے
اقبال عظیم

یہ جھوٹے خدا مل کر ڈبو دیں گے سفینہ
تم ہادی بر حق کو صدا کیوں نہیں دیتے
دیوار کا یہ عذر سنا جائے گا کب تک
دیوار اگر ہے تو گرا کیوں نہیں دیتے
حفیظ بنارسی

کیا جرم ہمارا ہے بتا کیوں نہیں دیتے
مجرم ہیں اگر ہم تو سزا کیوں نہیں دیتے
کیوں ہاتھ میں لرزہ ہے تمہیں خوف ہے کس کا
ہم حرف غلط ہیں تو مٹا کیوں نہیں دیتے
اختر مسلمی

نہ سمجھ سکی جو دنیا یہ زبان بے زبانی
ترا چہرہ خود کہے گا مرے قتل کی کہانی
یہ عذاب آسمانی یہ عتاب ناگہانی
ہیں کہاں سمجھنے والے مرے آنسوؤں کو پانی
تجھے ناز حسن پر ہے، مجھے ناز عشق پر ہے
ترا حسن چند روزہ مرا عشق جاودانی
نذیر بنارسی

یہ عنائتیں غضب کی یہ بلا کی مہربانی
میری خیریت بھی پوچھی کسی اور کی زبانی
ترا حسن سو رہا تھا مری چھیڑ نے جگایا
وہ نگاہ میں نے ڈالی کہ سنور گئی جوانی
مری بے زبان آنکھوں سے گرے ہیں چند قطرے
وہ سمجھ سکیں تو آنسو نہ سمجھ سکیں تو پانی
اختر مسلمی

مصلحت پوش بہت کم سخنی ہوتی ہے
کتنی معیوب دریدہ دہنی ہوتی ہے
کم ہی پایا ہے یہ شیرینی رہی ہو شیریں
بیشتر تلخ ہی شیریں سخنی ہوتی ہے
اس کی زلفوں ہی پہ موقوف نہیں ہے اختر
بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
حفیظ جونپوری

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے

ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

نہیں مرتے ہیں تو ایذا انہیں جھیلی جاتی

اور مرتے ہیں تو پیاں شکنی ہوتی ہے

مندرجہ بالا اشعار کے علاوہ کلیات اختر مسلمی میں ایسی کئی غزلیں مل جائیں گی جن پر قدیم اور جدید شعراء کا راست دیکھا جا سکتا ہے۔ان اشعار کے مطالعے سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اختر مسلمی نے یہ اثر صرف زبان وبیان یا لفظیات کی حد تک قبول نہیں کیا بلکہ شعری وسائل کو برتنے میں وہ اساتذہ سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔مجھے ان کی وہ غزلیں زیادہ رواں، خوش آہنگ اور پر از تغزل معلوم ہوتی ہیں جو اساتذہ کی اتباع میں کہی گئی ہیں۔شعری وسائل کو برتنے میں اساتذہ سے استفادہ کے علاوہ اختر مسلمی کے شناخت نامے کا ایک اہم عنصر ان کی فکری وسماجی وابستگیاں ہیں۔وہ کسی بھی تخلیق کے دونوں پہلوئوں ادبیت و افادیت کے قائل ہیں۔ان کے نزدیک دونوں پہلو ایک دوسرے کا تکملہ ہیں۔وہ ادب کے ذریعہ ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کے خواہاں تو ہیں لیکن ادبیت سے سمجھوتہ کیے بغیر۔مخملہ اختر مسلمی کے بارے میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ان کے ظاہر و باطن، قول و فعل اور فکر و عمل میں کوئی تضاد نہیں ہے۔وہ ادب کے کسی ایک پہلو کے مطالعے کے قائل نہیں بلکہ اس کی کلیت کے حامی ہیں۔

حوالہ جات:

کلیات اقبال (صدی ایڈیشن) ایجوکیشنل بک ہائوس، مسلم یونی ورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ

اردو غزل:۔ یوسف حسین خاں۔انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ

اردو غزل کے پچاس سال:۔ عبد الاحد خان خلیل۔نامی پریس لکھنؤ

اردو شاعری پر ایک نظر:۔ کلیم الدین احمد۔بک امپوریم سبزی باغ،پٹنہ

غزل اور غزل کی تعلیم۔اختر انصاری۔قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

غزل کی سرگزشت۔ اختر انصاری۔ایجوکیشنل بک ہائوس، علی گڑھ

جدید اردو شاعری۔عبادت بریلوی۔ایجوکیشنل بک ہائوس، علی گڑھ

کلیات اختر مسلمی۔۔مرتب۔فہیم احمد۔وائز پبلیکیشنس جامعہ نگر نئی دہلی

ایضاً98,103,106

ایضاً109,123,168

ایضاً226,214,195

ایضاً250258,298,

ایضاً302

☆☆☆